International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:03, Issue: 02,July-Dec 2023
PP: 86-100

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

اسلام میں سزاؤں کی مصالح: مقاصد شریعت کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Purposes of Punishment in Islam: An Analytical Study in the Light of Maqasid Shariat

Ramzi Alhabib Alhirbavi
PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University Faisalabad Campus, Faisalabad.
Email: Ramzialhabib@yahoo.com

Dr. Muhammad Rizwan Mahmood
In-charge/Assistant Professor, Department of Islamic Studies Riphah International University Faisalabad Campus, Faisalabad.
Email: Muhammad Rizwan@riphahfsd.edu.pk

Abstract

Since the day when Allah has settled this settlement of the universe with humans, He has also taught humans how to live, however, due to the evolution of human civilization, new commands have been given from time to time.The meaning of Islam is to surrender and to refer oneself completely, so the person who accepts Islam, he completely refers himself to the Creator of the Universe, that is why Allah Almighty said. That "O believers! Come to Islam completely".In this Irshad-e-Rabbani, it is indicated that the Islamic Shariat is not just the name of a few worship rituals and the method of worshiping God, but it is a complete system of life and a perfect way of life that has been sent to humanity and consists of complete mercy and welfare. Punishments in Islam are also a guarantee of peace and development and prosperity in this society, while there are many benefits for human society.

***Key Words**: Islamic Shariat, Punishments, Human civilization, welfare, worshiping.*

CC BY

موضوع کاتعارف

اللہ تعالیٰ نے جس دن سے کائنات کی اس بستی کو انسانوں سے بسایا ہے، اسی دن انسان کو زندگی بسر کرنے کے طریقہ کی بھی تعلیم دی ہے، البتہ انسانی تمدن کے ارتقاء کے باعث وقتاً فوقتاً نئے احکام دیئے گئے۔ اسلام کے معنی سر تسلیم خم کر دینے اور مکمل طور پر اپنے آپ کو حوالہ کر دینے کے ہیں، پس جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، وہ پوری طرح اپنے آپ کو خالق کائنات کے حوالہ کر دیتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ۔''[1]

اِس ارشاد ربانی میں اشارہ ہے کہ شریعت اسلامی محض چند عباداتی رسم ورواج اور خدا کی بندگی کے طریقہ کا نام نہیں، بلکہ ایک مکمل نظام حیات اور کامل طریقۂ زندگی ہے جو انسانیت کیلئے بھیجا گیا ہے اور سراپا رحمت اور خیر وفلاح سے عبارت ہے۔ اسلام میں سزائیں بھی اس معاشرے میں امن اور اس کی ترقی وبہبود کی ضمانت ہیں جبکہ اس میں انسانی معاشرے کے لئے کئی ایک مصلحتیں پنہاں ہیں۔

عقوبات وحدود کا مفہوم:

عقوبات وحدود سے مراد وہ سزائیں ہیں جو للہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ کا معنی یہ ہے کہ یہ سزا معاشرتی مفاد میں مقرر کی گئی ہے۔ کیونکہ فقہاء کرام جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں سزا اللہ تعالی کا حق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سزا معاشرے یا افراد کی طرف سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ گویہ کہ ہر وہ سزا حق للہ تعالی ہوتی ہو جو مفاد عامہ کی وجہ سے لازم کی گئی ہو اور جس کا مقصد لوگوں سے فساد دور کرنا اور تحفظ وسلامتی ہے۔

حدود فقہاء کے نزدیک:

حدود فقہاء کی اصطلاح میں وہ خاص سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے پر بطور تادیب دی جاتی ہیں۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

"فی الشرع عقوبة مقدرة لاجل حق الله فيخرج التعزير لعدم التقدير والقصاص لانه حق آدمی"۲

"شریعت میں حد اس مقررہ سزا کو کہتے ہیں جو اللہ کے حق کے طور پر متعین کی گئی ہو، تعزیر اس سے خارج ہے کیونکہ تعزیری سزا مقرر نہیں اور قصاص بھی اس سے خارج ہے کیونکہ قصاص حق العبد ہے حق اللہ نہیں ہے"

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

وفی الشرع الحد اسم لعقوبة مقدرة تجب حقاللہ تعالیٰ ولهذا لایسمیٰ التعزير لانه غير مقدرة ولا يسمىٰ به القصاص لانه حق العبد.۳

"شریعت میں حد اس مقررہ سزا کا نام ہے جو اللہ کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہے اس لئے تعزیر کو اسم حد سے موسوم نہیں کرتے کہ وہ غیر مقرر کردہ سزا ہے اور نہ ہی قصاص کو حد کا نام دیا جاتا ہے کہ وہ حق اللہ نہیں حق العبد ہے"۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

ان الحد هو العقوبة المقدرة شرعا" ٤

"حد شریعت کی مقرر کردہ سزا ہے"۔

فقہائے احناف کے علاوہ باقی جمہور فقہاء نے حد کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے: عقوبۃ شرعا سواء کانت حقاللہ ام للعبد"5

"شرعی سزا خواہ حق اللہ کے طور پر ہو یا حق العبد کے طور پر"۔

مقاصدِ شریعت کا لغوی واصطلاحی معنیٰ

مقاصدِ شریعت" باقاعدہ ایک علم ہے۔

مقاصد: یہ مقصد کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: میانہ روی جو افراط و تفریط سے پاک ہو۔ قرآن کریم میں ہے:

"وَ اقْصِدْ فِي مَشْيِكَ"٦

"اپنی چال میں میانہ روی رکھو۔"

اسی طرح حدیث مبارک میں ہے: "القصدَ، القصدَ تبلُغُوا"7" میانہ روی سے دین پر چلتے رہو، منزل تک پہنچ جاؤ گے۔"

شریعت عربی زبان میں پانی کے منبع اور سرچشمہ کو کہتے ہیں، نیز دین، ملت، طریقہ، سنت اور منہاج پر بھی شریعت کا لفظ بولا جاتا ہے۔

جس طرح پانی انسانی زندگی کی بقاء اور تروتازگی کے لیے ناگزیر ضرورت ہے، اسی طرح دین اسلام انسانوں کی روحانی اور مذہبی زندگی کی بقاء اور اصلاح کا سرچشمہ اور منبع ہے، اسی دین اسلام سے انسانوں کی دنیوی اور اُخروی فلاح و بہبود اور اللہ تعالیٰ کے ہاں رضامندی جڑی ہوئی ہے۔

متقدمین اہلِ علم کے ہاں اس علم کا مستقل وجود نہیں تھا؛ بلکہ عموماً تمام دینی علوم اور خصوصاً اصول فقہ کے ذیل میں اس علم و فن سے بحث کی جاتی تھی۔ چنانچہ مصلحت، حکمت، منفعت اور اسرار وغیرہ کی جو تعبیرات علومِ دینیہ میں ملتی ہیں وہی مباحث مستقل موضوع اختیار کر کے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کر گئیں۔

عصر حاضر میں اس موضوع پر ایک مفید ترین کتاب تحریر کرنے والے شیخ نور الدین الخادمی نے اس علم کی جامع ترین تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے

"المقاصد هى المعانى الملحوظة فى ا لأحكام الشرعية و المترتبة عليها سواء أكانت تلك المعانى حكماجزئية أم مصالح كلية أم سِمات إجمالية وهى تتجمع ضمن هدف واحد، هو تقرير عبودية الله و مصلحة الإنسان فى الدارين" ٨

"مقاصد شریعت سے مراد وہ اَہداف بھی ہیں جو شرعی اَحکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اُن شرعی احکام پر مرتب ہوتے ہیں، چاہے وہ اَہداف جزوی حکمتیں ہوں، کلی مصلحتیں ہوں یا محض اجمالی نشانیاں ہوں اور یہ سب اَہداف اپنے ضمن میں ایک ہی ہدف رکھتے: اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اظہار اور انسان کے لیے دنیا اور آخرت میں فائدہ مندی"

مقاصدِ شریعت کی اقسام

اس علم و فن کی تعریف اور غایت جاننے کے بعد اب اس کی اہم ترین اقسام جاننا ضروری ہے۔ اس فن کے اولین معمار امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسی الغرناطی الشاطبیؒ (متوفی 790ھ) کی مباحث سے بطور خلاصہ وانتخاب ان اقسام کو بیان کیا جاتا ہے[9]:

مصالح ضروریہ:

اُن اَہداف وغایات کو کہا جاتا ہے کہ اگر وہ ہاتھ نہ آئیں تو انسان کی دنیا یا آخرت برباد ہو جائے۔ مثلاً اگر نکاح اور نماز پڑھنا کہ اگر نکاح کی قدرت ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اس کے باوجود نکاح نہ کیا جائے تو دنیوی فوائد سے محرومی ہے اور اگر شرعی عذر کے بغیر نماز ترک کردی جائے اور اس سے منہ موڑ لیا جائے آخرت برباد ہو جاتی ہے۔

یہ شرعی مقاصد کی سب سے اولین قسم ہے، گویا کہ شریعت نے احکام شرعیہ میں ان مصالح کو علت کے بعد سب سے مقدم رکھا ہے اور یہ پانچ مصالح ہیں جنھیں مقاصد خمسہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ درج ذیل ہیں:

(1)دین کی حفاظت

(2)انسانی جان کی حفاظت

(3)انسانی عقل کی حفاظت

(4)انسانی نسل کی حفاظت

(5)انسان کے مال کی حفاظت

گویا کہ شریعت نے جتنے بھی احکام دیے ہیں، ان سب میں ان پانچ مصلحتوں میں سے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور موجود ہو گی اور بعض میں دو تین یا سب مصلحتیں بھی موجود ہو سکتی ہیں؛ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا ہو جس میں ان پانچ باتوں میں سے کوئی بھی بات موجود نہ ہو۔ ان پانچوں باتوں کی اصل اور بنیاد خود قرآن مجید ہے جو اس فن کے ماہرین اور ماہرینِ قرآن پر مخفی نہیں۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ پانچوں باتیں آپس میں ہم مرتبہ نہیں؛ ہیں بلکہ ان پانچوں کے باہمی درجات میں تفاوت ہے، مثلاً اگر دین اور جان میں سے کسی ایک کو بچانے کا موقع ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس موقع پر دین بچانا مقدم ہو گا، اگرچہ جان نہ بچ پائے، اسی طرح اگر جان اور مال میں سے ایک چیز بچائی جا سکتی ہو تو شریعت جان بچانے کو ترجیح دے گی وغیرہ۔

یہ پانچ ضروریات اصول دین میں سے ہیں۔ امام شاطبیؒ نے انھیں ''اصول دین، قواعد شریعت اور کلیات ملت'' کے القاب دیے ہیں جن سے ان کی اہمیت خود بخود واضح ہو رہی ہے۔ مثلاً ارکانِ اسلام کا مکلف اس لیے بنایا گیا؛ تاکہ انسان کا ''دین'' سلامت رہے۔

دیت، قصاص اور زخموں وغیرہ کے احکام اس لیے دیے گئے ؛تاکہ انسانی ''نفس'' کی حفاظت ہو۔

نشہ آور چیزوں اور دیگر لہو ولعب کی ممانعت کی گئی ؛تاکہ انسانی ''عقل'' سلامت رہے۔

گھریلو زندگی سے متعلق احکامات اس لیے دیئے گئے ؛تاکہ انسانی ''نسل'' کو بقاء اور تحفظ میسر آئے۔

خرید و فروخت کے احکامات اور چوری وڈاکہ زنی وغیرہ کی ممانعت اس لیے کی گئی ؛تاکہ انسانی ''مال'' محفوظ رہ سکے۔

اب دیکھ لیجیے کہ شریعت نے کس طرح اپنے احکامات میں ان پانچ باتوں کو ملحوظ رکھا ہے اسی لیے انھیں اصول دین اور قواعد شریعت کا لقب دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جو باتیں ان پانچ مقاصد میں سے کسی میں بھی خلل انداز ہوں انھیں شریعت ''مفاسد'' کا نام دیتی ہے اور جن باتوں سے یہ پانچ باتیں سلامت اور محفوظ رہیں انھیں ''مصالح'' قرار دیتی ہے [10]۔

II. مصالح حاجیہ

یعنی وہ مصلحتیں جن سے انسانی حاجات وابستہ ہوں اور اگر وہ حاجات پوری نہ ہوں تو انسان تکلیف اور مشقت میں پڑ جائے، اِن انسانی حاجات سے متعلقہ احکامات میں شریعت نے جو اَہداف مقرر کیے ہیں انھیں ''مصالحِ حاجیہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ مثلاً عذر کے وقت تیمم کرنا وغیرہ۔

پھر یہ مصالح حاجیہ اپنی اصل میں قسم اول مصالح ضروریہ سے ہی جڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً نکاح کے احکامات میں شریعت نے جو چیزیں مدنظر رکھی ہیں، ان کا ایک ہدف نسلِ انسانی کی بقاء اور تحفظ ہے اور یہ بات اوپر بیان ہو چکی ہے کہ نسلِ انسانی کا تحفظ مقاصد خمسہ اور مصالح ضروریہ میں سے ہے۔

اسی طرح تجارت اور کرایہ داری وغیرہ کے احکامات کا ہدف مال کی حفاظت یا اس کی بڑھوتری ہے اور مال کی حفاظت بھی قسمِ اول؛ مصالح ضروریہ میں سے ایک مصلحت ہے۔

ان انسانی حاجات میں شریعت نے عموماً رخصت اور آسانی کی ملحوظ رکھا ہے؛ چنانچہ بوقت ضرورت مردار کھانے کی اجازت اور پانی میسر نہ ہونے یا قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم کا حکم، سفر میں نماز کی قصر اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی سہولت اور رخصت پر مبنی ہے؛ تاکہ انسان اپنی استطاعت کے حدود میں رہتے ہوئے دینی ارکان کو بجالا سکے اور انھیں محفوظ رکھ سکے۔

III. مصالحِ تحسینیہ:

یعنی ایسی مصلحتیں اور ایسے اہداف جن کی رعایت انسانی کردار اور گفتار میں حسن وخوبی کا باعث ہوں، انھیں مصالحِ تحسینیہ کا نام دیا گیا ہے اور تمام اچھی عادات اور اچھے اخلاق اسی سے جڑے ہوتے ہیں۔ پھر تمام برے اخلاق سے اجتناب برتنا بھی اسی قسم سے متعلق ہے؛ کیوں کہ بری باتوں اور برے اخلاق سے کنارہ کشی خود بخود انسان میں ایک حسن پیدا کر دیتی ہے۔

چنانچہ اسراف اور بخل وغیرہ سے اجتناب کرنا، میاں بیوی کے انتخاب میں کفاءت کو ملحوظ رکھنا، کھانے پینے کے آداب، حسنِ معاشرت، ستر عورت، نجاست سے پاک رہنا وغیرہ سب اس کی مثالیں ہیں۔

جس طرح مصالح کی دوسری قسم یعنی مصالحِ حاجیہ اپنی انتہاء میں قسمِ اول؛ مصالحِ ضروریہ کی طرف لوٹتی ہیں اسی طرح یہ تیسری قسم؛ مصالحِ تحسینیہ بھی انجام کار مصالح ضروریہ کی طرف ہی لوٹتی ہیں۔ مثلاً طہارت اور ستر عورت کا حکم ''حفظِ دین'' کی طرف لوٹتا ہے۔

کھانے پینے کے آداب اور حرام چیزوں سے اجتناب '' حفظِ نفس'' کی طرف لوٹتا ہے۔

میاں بیوی کا صحیح انتخاب اور حسنِ معاشرت ''حفظ نسل'' کی طرف لوٹتے ہیں۔

حلال کمانا، صحیح خرچ کرنا اور فقیروں کو اپنے مال میں سے حصہ دینا ''حفظ مال'' کی مصلحت کی طرف لوٹتے ہیں۔

یہ ایک نمونہ ہے اس بات کا کہ مصالح کی دوسری دونوں قسمیں اپنی انتہاء اور انجام کار میں قسم اول کی طرف ہی لوٹتی ہیں؛ اسی لیے علمائے کرام نے قسمِ اول کو ''اصول دین اور قواعدِ شریعت'' کا نام دیا ہے۔

سزاؤں کے مقاصد کی تفصیل

ا: معاشرہ کے نظام حیات اور اہم مفادات کی حفاظت

نظام حیات اور اہم مفادات کی حفاظت صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ان پانچ ضروریات کے تحفظ کے لیے مخصوص سزائیں طے کی جائیں، جن پر زندگی کا دارو مدار اور ان کے بغیر زندگی پر سکون اور ہموار نہیں رہ سکتی، بلکہ مضطرب ہو جائے گی اور ان پانچ ضروریات کو بڑے مقاصد اور عظیم مصلحتیں بھی کہتے ہیں اور ان پر عقائد، دین اور رسومات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے روئے زمین کی تمام قوموں کا اجماع ہے۔

شریعت میں سزائیں اس لیے طے کی گئی ہیں کہ وہ معاشرے کی ان تمام چیزوں سے حفاظت کا ذریعہ بن سکیں، جو اس کے مفادات اور نظام کو نقصان پہنچاتی ہیں۔اور یہ تب ہی ممکن ہوگا کہ شر، فساد، فتنے اور زیادتی کے دروازوں کو بند کر دیا جائے اور مجرموں کو سرزنش کرنے کے لیے احکامات وضع کیے جائیں اور انھیں نافذ کیا جائے۔

لہذا سزا دینا ایک ایسی اجتماعی ضرورت ہے، جس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ سزا بھی بقدرِ ضرورت ہونی چاہیے، نہ اس سے زیادہ اور نہ ہی کم؛ تاکہ امت اور اس کے نظام کے تحفظ کا مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو سکے۔ لہذا نتیجہ کا مقصد صرف سزا نہیں ہے؛ کیونکہ شرعی احکا ہر حال میں امت کے حال کی اصلاح کرتے ہیں۔

۲: شرعی حدود کی جرائم اور فساد کے پھیلنے سے روک تھام

سزا کا مقصد اور ہدف نظام حیات کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مجرم کو سرزنش کرنا بھی ہے؛ تاکہ وہ جرم دہرانے کا عادی نہ بن جائے اور یہ بھی کہ اس کے رویے کو تبدیل کیا جائے اور خواہش پرستی ہے روکا جائے اور باقیوں کو اس جرم کے ارتکاب سے روکا جائے، اس اعتبار سے یہ عمومی سرزنش بھی ہے اور خصوصی بھی۔

سزائیں اسلام میں ایسی ڈانٹ اور روک ہیں جو گناہ گار کو دوبارہ جرم کی طرف لوٹنے سے روکتی ہیں اور دوسروں جرم کے ارتکاب کرنے کی فکر سے بھی روکتی ہیں۔اور یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سزا کو لوگوں میں مشہور کرنے اور اعلانیہ طور پر نافذ کرنے کی شرط لگائی گئی ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "اور ان دونوں (زانی اور زانیہ) کی سزا مومنوں کی ایک جماعت دیکھے تاکہ یہ سرزنش ہو"[11]

۳: عدل اور رحمت

اسلامی شریعت سراپا عدل و رحمت ہے اور جرم اس عدل و رحمت کے خلاف سرکشی اور ظلم ہے، جسے اسلام جرائم کے سزا کے نفاذ کے ذریعہ متحقق اور استوار کرنا چاہتا ہے، اس لیے مجرم کو اس کی زیادتی سے بڑھ کر سزا نہیں دی جاتی۔

عدل و رحمت کا مطلب شر پسندوں اور مجرموں کے ساتھ نرمی نہیں، بلکہ سزا میں حد سے آگے نہ نکل جانا ہے۔ لہذا مقصد انتقام نہیں ہے، بلکہ اسے اس کی بد عملی کا احساس دلانا اور اس پر تنبیہ کرنا ہے۔

لہذا رحمت ہی اسلام میں سزاؤں کے طے پانے کی بنیاد ہے؛ کیونکہ یہ لوگوں کے مفادات کے حصول کی ضامن ہے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ سزاؤں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے رحمت ہے اور یہ لوگوں پر اللہ کا خصوصی رحم ہے اور ان پر احسان ہے اور مجرم پر رحمت بھی ہے؛ کیونکہ سزا اس کو ادب سکھاتی ہے اور اس کے سولک اور رویے کی اصلاح کرتی ہے اور نافرمانی سے روکنے کے لیے ایک

علاج ہے، جس طرح ایک معالج مریض کا علاج کرتا ہے۔

۴: اللہ کے حکم کی پاسداری

اللہ پاک کا شرعی امر اللہ پاک کا متعین کردہ ہوتا ہے اور اس کی چاہت ہوتا ہے اور جو اللہ کے حکم کی مخالفت کرے، وہ اللہ کی چاہت کی خلاف ورزی کررہا ہے، جبکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہے، پاسداری کا مطلب اطاعت اور اتباع اوامر ہے اور مقصود یہ ہے کہ جس کام کا حکم دیا گیا ہے وہ اطاعت کے طور پر سرانجام دیا جائے۔

اللہ کا وہ حکم جس کی پاسداری سزاؤں کے معاملہ میں ضروری ہے وہ مقررہ سزا ہے، جیسے کہ قصاص، جیسے اللہ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! تمھارے اوپر مقتولین کے معاملہ میں قصاص فرض کیا گیا ہے" 12 کُتِبَ کا ترجمہ ہے کہ قرض، اگر قتل عمد ہو۔ ابن عثیمین کہتے ہیں کہ امام حد قائم کرنے کے وقت تین نیتیں کرے گا:

پہلی: حد قائم کرکے اللہ کے حکم کی پاسداری؛ کیونکہ حدود کا قائم کرنا اللہ نے بندوں پر لازم کیا ہے اور وہ حد سے بدلہ کی نیت نہیں کرے گا۔

دوسری: وہ فساد کی خاتمے کی نیت کرے گا؛ کیونکہ یہ گناہ نافرمانیاں ہیں اور اللہ پاک نے ان کا ارتکاب کرنے والے پر حد قائم کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے اور دوسروں کے متوقع فساد سے بچا جاسکے۔

تیسری: مخلوق کی اصلاح اور اسی مخلوق میں سے جن کی اس نے اصلاح کرنی ہے یہ مجرم بھی ہے جس پر وہ حد قائم کررہا ہے تو وہ اس کی اصلاح کی نیت کرے اور یہ کہ اللہ اس کے سابقہ گناہ بخش دے۔

اور اس آیت میں اللہ نے مومنین کو خطاب کیا ہے اگرچہ کہ حد نافذ کرنا حاکم کا کام ہے تاکہ انھیں احساس دلایا جاسکے کہ ان پر بھی ذمہ داری کا ایک حصہ ہے خصوصاً اگر حاکم سستی سے کام لے یا سزا کے نافذ کرنے میں غفلت کرے اور ان سے ایسے اعمال کا مطالبہ ہے کہ جو سزا کے نفاذ میں حاکم کی معاونت کریں اور اس کی ممکنہ صورتیں مجرم کو حوالہ کردینا اور اس کے خلاف حق پر مبنی گواہی دینا ہے۔

اللہ پاک کے حکم کی اطاعت ہی دنیا آخرت میں بندہ کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہے، لہذا جب مجرم اللہ کے اس حکم کے سامنے سرنگوں ہوجائے کہ اس سے قصاص لیا جائے جو کہ جانوں کے تحفظ کا ذریعہ ہے اسے دوہرا اجر ملتا ہے ایک اجر سر تسلیم خم کرنے پر اور دوسرا جانوں کے تحفظ کے ارادے پر اور دونوں ہی اللہ کے حکم ہیں، اسی طرح اللہ پاک احکام کی اتباع ایسی عبادت اور اطاعت ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب کے قریب ہوجاتا ہے چاہے اتباع کتنی ہی دشوار ہو اور یہی اسلامی شریعت کا انسان کے وضع کردہ قوانی سے امتیاز ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو خفیہ اور علانیہ طور پر اللہ کی اتباع پر ابھارتی ہے۔ لہذا قاتل پر اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا لازم ہے اگر مقتول کے اہل اس کا مطالبہ کریں اور اسی طرح مقتول کے ولی پر لازم ہے کہ قاتل کے مرجانے پر اکتفاء کریں اور اس کے سوا کسی اور پر زیاتی نہ کرے اور قصاص کے بغیر دیت یا پھر معافی پر جانبین راضی ہوجائیں تو پھر بھی جائز ہے۔

اور ہماری شریعت میں اللہ کے حکم کی اتباع کا ایک امتیاز بھی ہے کہ وہ دینی اور اعتقادی محرک کی وجہ سے تاکہ اللہ پاک کے

حکم کا نفاذ ہو سکے اور شریعت پر عمل در آمد ہو سکے اور یہ اتباع اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ ایک حتمی حکم ہے جس سے چھٹکارہ ممکن نہیں ہے قاضی کے اختیارات کی وجہ سے یا پھر سزا کے نفاذ کو روکنے سے مجبور ہونے کی وجہ سے اور مجرم اس بات پر قناعت کرتا ہے کہ جو سزا شریعت نے اس کے لیے طے کی ہے اس میں کوئی مصلحت ضرور ہے اگرچہ اس کا مقصد اس پر عیاں نہ ہو۔

علامہ ایجی فرماتے ہیں کہ اس میں بھی ایک مصلحت جو اللہ کے علم کے ساتھ خاص کیونکہ حکمت جانے بغیر اطاعت کرنے میں نافرمان نفس کو مطیع بنانے کا اور مغلوب کرنے کا سامان ہے، چونکہ نفس جب کسی حکم کی حکمت جان جائے تو اس حکم کا فرمانبرداری اس خاص مصلحت کی خاطر بن جاتا ہے اور غرض صرف اپنے آقا کی فرمانبرداری نہیں رہ جاتی۔ اور وہ اپنے آپ کو علم میں راسخ سمجھنے لگتا ہے جو کہ اپنے نفس کے بارے میں عجب کے شکار ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ چونکہ جب وہ حکمت جانے بغیر اتباع کرتا ہے تو وہ خالص فرمانبرداری ہوتی ہے اور وہ عجب جاتا رہتا ہے جو حکمت جاننے کی صورت میں پیدا ہو جاتا ہے۔[13] اور یہ کہ سزا کا نفاذ ایسے ہو جیسے اللہ کا حکم ہو بغیر کسی کمی و بیشی کے اور کم بیشی رکنا ظلم اور سرکشی ہے جو کہ حرام ہے۔

۵: معاشرہ کی عذاب الٰہی سے حفاظت

ہمیشہ سے اللہ پاک کی سنت رہی ہے کہ نشانیاں اور دلائل بھیجنے کے بعد ظالموں کو ہلاک کر دیتے ہیں تاکہ بدکاروں کو ان کی بد عملیوں کا نتیجہ دکھادیں اور اللہ ان پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں اور چونکہ جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا یا پھر ان سے منع کیا اس کی اتباع تمام مکلفین پر واجب ہے اس وجہ سے اس کا حکم کا توڑنا بھی سرکشی شمار کیا جاتا ہے اور واجب الاتباع حکم سے رکنے کی وجہ سے سزا کا مستحق ہے اس وجہ سے اسلامی شریعت میں سزا جس کے مقاصد میں سے لوگوں اور عوام کو عذاب الٰہی سے بچانا بھی ہے اور ممکن ہے کہ ان پر یہ عذاب نازل ہو جائے ان احکامات کو نافذ نہ کرنے کی صورت میں جو اللہ پاک نے ان کے مال، جان، امن اور مفادات کے تحفظ کے لیے اتارے ہیں اللہ پاک کا ارشاد ہے: "أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ"[14] "خوب سن لو کہ جس نے پیدا کیا وہ جانتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔" اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا کیے گئے اور میں اللہ کی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو اور ان میں سے ذکر کیا کہ جب ان کے حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے تو اللہ ان کے درمیان اختلاف پیدا فرما دیں گے یعنی خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو گی۔"[15]

اللہ پاک کے احکام کی اتباع اور ان کے نفاذ کی کوشش اور اس پر تیار کرانا معروفات میں سے ہے جن کا شریعت نے حکم دیا ہے اور یہ نہ کرنا منکر ہے جسے تبدیل کرنا لازمی ہے تاکہ لوگوں پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بے شک لوگ جب کسی منکر کو دیکھتے ہیں اور اس میں تبدیلی کی کوشش نہیں کرتے تو قریب ہے کہ ان پر اللہ عمومی عذاب آپڑے۔"[16]

اور اللہ پاک نے ہمارے لیے قصے صرف اس لیے بیان کیے ہیں کہ وہ ہمارے لیے عبرت اور نشانی بن سکیں، لہذا ہم ان لوگوں کی روش اختیار نہ کریں جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اللہ پاک نے بیان فرما دیا کہ ان کے ظلم، فساد اور اللہ کے حکم کے نفاذ سے غفلت کی وجہ سے اللہ نے ان کے ساتھ کیسا برا انجام کیا۔ چنانچہ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ "کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھر و تو تم دیکھو کہ پچھلوں کا کیسا انجام ہوا ان میں سے اکثر مشرکین تھے"[17]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جو شخص عبرت حاصل کرتا ہے دنیا کے قدیم وجدید حالات سے اور ان سزاؤں سے جو انھیں دی جاتی ہیں جو زمین میں فساد مچاتے ہیں اور ناحق خون بہاتے ہیں اور فتنے کھڑے کرتے ہیں اور اللہ پاک کی حرام کردہ چیزوں کے بارے میں نرمی اختیار کرتے ہیں وہ شخص جان لیتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی نجات ایمان اور تقوی والے لوگوں کے لیے ہے۔[18] کوئی بلا نازل نہیں ہوتی لیکن گناہ کی وجہ سے اور کوئی بلا نہیں اٹھتی لیکن توبہ کی وجہ سے۔ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے نعمت کا ختم کردینا اور توبہ اور اطاعت کی وجہ سے نعمت کا باقی رکھنا اللہ پاک کی بڑی حکمت ہے۔

اور اسی تناظر میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ پاک نے نیک اور گناہ گار آدمی کے اعمال کو جہاں میں آثار واثرات ہونے کا سبب بنادیا اور ان کا نتیجہ ظاہر ہونے سے روکنا ممکن نہیں اور اثر ظاہر ہونا ضروری ہے۔اس لیے حسن معاملہ، زکوۃ اور صدقہ روکنے کو آسمان سے بارش رکنے اور قحط اور خشک سالی کا سبب بنادیا اور مساکین پر ظلم اور ناپ تول کی کمی اور طاقت ور کی کمزور پر زیادتی کو بادشاہوں اور حکام کے ظلم کا سبب بنادیا جو کہ رحم کی گزارش کرنے کی صورت میں رحم نہیں کرتے اور ظلم سے رکنے پر درخواست پر باز نہیں آتے اور وہ درحقیقت رعایا کے اعمال ہوتے ہیں جو حکام کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اللہ پاک اپنی حکمت اور عدل کے پیش نظر لوگوں کے لیے ان کے اعمال ایسے روپ اور صورت میں ظاہر فرماتے ہیں جو ان کے مناسب ہوں کبھی خشک سالی تو کبھی سرکشی اور کبھی حکام کے ظلم اور کبھی وبا اور کبھی ایسے دکھ، درد اور غم کی صورت میں جو دل میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان سے جدا نہیں ہوتے اور کبھی زمین وآسمان کی برکات ان سے روک کر اور کبھی ان پر ایسے شاطین مسلط کرکے جو انھیں عذاب کے اسباب کی طرف ابھارتے ہیں تاکہ ان پر عذاب کا فیصلہ لازم ہو جائے اور تاکہ ہر شخص اس چیز یعنی اچھے برے نجام کی طرف گامزن ہو جائے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ عاقل شخص اپنی خداداد بصیرت کے ذریعہ زمیں کے مختلف گوشوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ کے عدل اور حکمت کے نشانات دیکھتا ہے۔[19]

اور یہ بھی ضروری ہے کہ سزا کے حقداروں پر حسب ونسب والے اور گھٹیا شخص کے درمیان فرق کیے بغیر حد نافذ کی جائے؛ کیونکہ بڑوں سے سزا معاف کردینا قوموں اور نسلوں کی تباہی کے اسباب میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پچھلوں کو اس بات نے ہلاک رکدیا کہ جب ان میں حسب ونسب والا چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔“[20]

لہذا اللہ کی حدود اور ان کا نفاذ خیر کو کھینچنے والا ہے اور اچھے طور پر اطاعت کرنے اور اللہ کے اوامر کی اتباع کرنے کی علامت اور شر اور عذاب اور زندگی کی دشواریوں کو دور کرنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”زمین پر ایک حد قائم کی جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ زمین والوں پر چالیس روز بارش ہو۔“[21]

اور انسان کو چاہیے کہ تصور کرلے کہ اللہ کی ایک حدود کو قائم کرنا کتنی بڑی نعمت ہے جو حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ وہ اس بارش کی طرح ہے جسے اللہ پاک نے زمیں والوں پر بھیجا تاکہ زمین سیراب ہو اور کھیتی اگے اور تھن بھر جائیں اور ہوائیں خوش گوار ہو جائیں اور پانی بڑھ جائے اور زمین کی سرسبزی دیکھ کر لطف حاصل ہو اور زمین والے رونق اور آسائش اور سعادت میں

گھرے ہوں اور یہ کیفیت چالیس روز برقرار رہے۔

۶: سزا گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ بنتی ہے

کیا سزا آخرت کی پکڑ سے چھٹکارہ کا ذریعہ بن جاتی ہے اور مجرم کے گناہوں کے کفارہ کا سبب ہوتی ہے؟

علماء کے اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں:

پہلا قول: دنیا میں سزا گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے اور اس کے بارے میں روز آخرت حساب نہ ہوگا توبہ کرے یا نہ کرے اور حنبلی، شافعی، مالکی اور ظاہری علماء یعنی جمہور علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے: آپ ﷺ نے فرمایا صحابہ کرام سے: " میری اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھراؤ گے اور نہ چوری کروگے اور نہ زنا کروگے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کروگے اور نہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان بہتان گھڑ کر لاؤگے اور معروف میں نافرمانی نہیں کروگے تو تم میں سے جو ان باتوں کو پورا کردے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جس نے ان کی خلاف ورزی کی اور دنیا میں اس کی سزا پالی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے کسی بات کی خلاف ورزی کی پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کہ چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو اسے معاف کردے۔ تو ہم نے اس بات پر آپ ﷺ کی بیعت کرلی۔[22]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حدود کے بارے میں نے اس سے زیادہ واضح حدیث نہیں سنی اور اسی طرح غامدیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی ہے جنھیں زنا کی حد لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر محصول لینے والا بھی کرلیتا تو بخش دیا جاتا۔"[23] اور ایک اور روایت میں ہے کہ "یقینا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے باشندوں میں سے ستر پر تقسیم کردی جائے تو انھیں کافی ہو"24 علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حد کا قائم کرنا گناہ کا کفارہ ہے اگرچہ جسے حد لگی وہ توبہ نہ کرے-[25]

دوسرا قول: دنیا میں سزا گناہ کا کفارہ نہیں بنتی جب تک کہ گناہ گار اس کے بغیر توبہ نہ کرلے اور یہ قول احناف نے اختیار کیا ہے.26 اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے ڈکیتی کرنے والوں کے متعلق آیت میں فرمایا:

"یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی کا سامان ہے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے اس سے پہلے توبہ کرلی کہ تم ان پر قدرت پاؤ تو جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"[27]

ابن نجیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب اس پر حد قائم کی جائے اور وہ توبہ نہ کرے تو اس سے ہمارے نزدیک اس گناہ کا جرم زائل نہ ہوگا اس آیت کی روشنی میں جس میں ڈکیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے چور کے متعلق فرمایا:" اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر اس کے زخم کو داغ دو پھر میرے پاس لے آؤ تو اس کا ہاتھ کاٹ کر وہ لایا گیا تو فرمایا: اللہ کے حضور توبہ کر تو اس نے کہا میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں پھر فرمایا: اللہ نے تمھاری توبہ قبول فرمالی۔"[28]

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ سے چھٹکارہ صرف حد سے حاصل نہیں ہوتا اگر اس پر اصرار کرے اور کفارہ صرف توبہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اسے توبہ کے لیے بلایا اور توبہ سابقہ

گناہ پر ندامت کی صورت میں ہی تمام ہوتی ہے اور جن احادیث سے جمہور نے استدلال کیا ہے، انھیں علماء احناف نے حد کے قیام کے بعد توبہ پر محمول کیا ہے۔[29]

تیسرا قول: اس مسئلہ میں حتمی بات نہ کرنا اور بعض علماء اس کی طرف مائل ہوئے ہیں جیسے کہ قاضی عیاض نے فرمایا۔30اور ان کی دلیل آپ ﷺ کا یہ قول ہے: "میں نہیں جانتا کہ حدود گناہ گار کے لیے کفارہ ہوتی ہیں کہ نہیں" [31]

اور حدیث کو دلیل اس بنیاد پر بنایا گیا ہے کہ ظاہری مراد یہ کہ آپ ﷺ نہیں جانتے کہ حد گناہ کو مٹاتی ہے کہ نہیں اور یہ معاملہ اللہ ہی کے علم میں ہے۔

راجح قول جمہور کا ہے اور اسکی وجوہات درج ہیں۔

جن دلائل پر انھوں نے اعتماد کیا ہے ان کی قوت چاہے ثبوت کے اعتبار سے ہو یا پھر وجہ استدلال کے اعتبار سے سزاؤں کی اصل جو کہ فقہاء نے مقرر کی ہے یہی ہے کہ وہ سرزنش کا سامان اور تلافی کا سبب ہیں۔

حد کے قائم کرنے سے براءت اور گناہ سے چھٹکارہ کا حصول یقینی چیز ہے کیونکہ حد حضور ﷺ کے حکم سے قائم کی گئی، جبکہ سچی توبہ ایک غیر یقینی اور قابل شک معاملہ ہے؛ کیونکہ اس کا معاملہ دلی ور خفیہ ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا معاملہ ہے جس میں حضور ﷺ نے اس سے کہا کہ توبہ کرلے تاکہ اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیں تو ہر مسلمان کو ہر حال میں گناہ ہو یا نہ ہو توبہ کرنا چاہیے؛ کیونکہ آپ ﷺ اللہ پاک سے استغفار کرتے تھے اور روزانہ ستر دفعہ توبہ کرتے تھے۔

۷: بدلے کی عادت اور قتل میں زیادتی کا خاتمہ

ان عادات میں سے جو اسلام سے پہلے عربوں میں پھیلی ہوئی تھیں بدلہ لینا اور قتل میں زیادتی کرنا ہے اس اعتبار سے کہ مقتول کے ورثاء قاتل کے علاوہ اوروں کو بھی قتل کر دیتے تھے اور کبھی کبھی قاتل کو بھی قتل کر دیتے تھے اور اس کے قبیلے کے دیگر افراد کو بھی قتل کر دیتے تھے۔ بدلہ سے مراد وہ خون کا مطالبہ ہے جو ایک قوم دوسری قوم سے کرتی ہے۔ اور جب اسلام آیا تو اس نے ہر ناحق قتل کو حرام قرار دیا اور اسے ظلم اور زیادتی شمار کیا۔ اللہ پاک نے فرمایا: "جسے مظلومانہ حالت میں قتل کر دیا گیا یقیناً ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے اسے چاہیے کہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔" [32]

اور "مصنف ابن ابی شیبہ" میں "فلا یسرف فی القتل" کی تشریح یہ لکھی ہے کہ قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کیا جائے اور قاتل کا مثلہ کیا جائے یا پھر بعض قبائل کی عادت مراد ہے کہ مقتول کے بدلہ میں قاتل کے قبیلہ کا کوئی بھی شخص قتل کر دیتے تھے یا پھر اس قبیلہ کے اعلیٰ رتبے کے اشخاص کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیتے تھے جب کہ حقیقی قاتل سے انتقام لینا ممکن نہ ہو۔[33]

امام شعبی اور قتادہ رحمہا اللہ نے فرمایا: بے شک زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں بغاوت اور شیطان کی اطاعت کا غلبہ تھا اس وجہ سے اگر کسی پر زور قبیلہ کا غلام مارا جاتا تو وہ کہتے کہ اس کے بدلہ میں ہم آزاد ہی کو قتل کریں گے اور اگر عورت قتل ہو جاتی تو وہ کہتے ہم اس کے بدلے میں مرد ہی کو قتل کریں گے اور اگر ان کا گھٹیا نسب والا قتل ہو جاتا تو کہتے کہ ہم اس کے بدلہ میں عالی نسب کو قتل کریں

گے اور کہتے تھے کہ قتل ہی قتل کا مکمل بدلہ ادا کرتا ہے اور کبھی کبھار یہ بدلہ کسی حد تک پہنچ کر ختم نہیں ہوتا تھا، بلکہ خون ریز جنگوں میں کئی نسلوں تک خون بہتا تھا جیسے کہ بسوس کی جنگ تھی جو چالیس سال جاری رہی۔[34]

ایسا جرم جس سے جانی نقصان ہو مقتول کے ولیوں کے دل میں نفرت، بغض اور کینہ پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ان میں بدلہ لینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تاکہ مجرم اور اس کے متعلقین کو بھی ویسے ہی سزا چکھائیں غم و درد کا جیسا کہ انھوں نے پہلے چکھایا تھا اور زمانہ جاہلیت کے عرب اس کو عیب دار سمجھتے تھے جو کہ بدلہ اور انتقام کے بجائے دیت پر راضی ہو جائے۔

اور یقیناً اسلام نے اپنے احکام سے عدل کے قواعد کو راسخ کر دیا اور ظلم کے خلاف جنگ کی اور بدلہ لینے کی عادت ختم کر دی اور مقتول کے ولیوں کو عادلانہ قصاص کی صورت میں ان کا حق دے دیا اللہ پاک کا ارشاد ہے: ” اے عقل مندوں تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے اگر تم متقی بن جاؤ۔“ [35]

قصاص سے حاصل ہونے والی زندگی اس سرزنش اور تنبیہ کی صورت میں ہے جو ہر اس شخص کو ہوتی جو قتل کا ارادہ کرتا ہے اور وہ تنبیہ جو قاتل کے قتل ہونے سے ہوتی ہے اور اس کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا جاتا اس کے برخلاف جو کچھ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا۔ لہذا قصاص وہ فیصلہ ہے جس پر فطرت سلیمہ مطمئن ہو جاتی ہے اور یہ نفوس کے منفی جذبات اور دل کے زخموں کا مداوا کر دیتا ہے اور نفس کے اٹھتے ہوئے جذبات کی تسکین کرتا ہے جن کی قیادت غصہ اور جاہلانہ غیرت کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ” اللہ کے ہاں لوگوں میں مبغوض ترین وہ ہے جو حرم میں قتل کرے یا قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا زمانہ جاہلیت کے طرز پر قتل کرے۔“ [36]

۸: جذبہ انتقام اور غصہ کی تشفی

اسلام میں سزا کے مقاصد میں سے مقتول کے ولیوں کے جذبہ انتقام کی تشفی بھی ہے اور اس میں ان کی نفسیات کی رعایت ہے کہ ان کا دل پر سکون ہو جاتا ہے اور ان کے اندر کا غصہ زائل ہو جاتا ہے، اس لیے وہ ایسا انتقام لینے سے باز آجاتے ہیں جو مجرم سے تجاوز کر کے اس کے تمام متعلقین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے کیونکہ جانی نقصان کی صورت میں مقتول کے ولی کا غصہ اس کے سوائے کوئی چیز دور نہیں کر سکتی کہ مجرم اس کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ اس کے ساتھ وہی کرے جو کہ اس نے مقتول کے ساتھ کیا تھا ورنہ بدلہ کا دروازہ کھل جائے گا اور اسے قصاص ہی بند کر سکتا ہے۔

اور مقتول کے ولی کو قصاص لینے یا دیت لینے یا معاف کرنا کا اختیار ہوتا ہے اور اللہ پاک کا ارشاد ہے: ” اور جسے مظلومانہ حالت میں قتل کر دیا گیا یقیناً ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے، اس لیے اسے قتل میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔“ [37]

قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سلطان سے مراد اختیار ہے قصاص لینے یا دیت لیے یا پھر معاف کرنے کا اور حقیقی معنی میں سلطان دلیل کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ اختیار مقتول کے وارث کو ظاہری دلیل سے حاصل ہوا ہے اس لیے اسے سلطان کا نام دیا گیا ہے۔[38]

قصاص جب عدل اور رحمت اور برابری سے متصف ہو تو مظلوم کے غصہ کے دور کرنے کا اکیلا ذریعہ ہے اس کی جگہ مال کا جرمانہ یا جیل کی قید نہیں لے سکتے، مگر یہ کہ مظلوم اس پر راضی ہو کیونکہ ولی مقتول کا قریب ترین انسان ہوتا ہے اور اس کی وفات

پر اسے سخت ترین غصہ اور رنج ہوتا ہے جیسے کہ باپ بیٹا اور بھائی تو اللہ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ قصاص کی وصولی کا حقدار قرار دیں تاکہ اس کے ذریعہ اس کے دل میں غصہ اور انتقام کی آگ بجھا دیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] سورة البقرة: ٢٠٨

[2] الشوکانی ،محمد بن علی بن محمد بن عبد الله ، نیل الأوطار،ج٧،ص١٠٣،دار الحدیث مصر،طبع أولی، ١٤١٣ھ

[3] السرخسی، محمد بن أحمد بن أبی سہل، المبسوط،ج٩،ص٣٦، دار المعرفة بیروت،١٩٩٣م۔

[4] ابن ہمام ،فتح القدیر ،ج٥،ص٣،المطبعة الامیریه،١٣١٥ھ۔

[5] الجزیری ،عبدالرحمن ،کتا ب الفقه علیٰ المذاہب الاربعة ،ج٥،ص٧،دارالفکر بیروت

[6] سورة لقمان:١٩

[7] البخاری ،الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، رقم الحدیث: ٦٤٦٣

[8] نور الدین الخادمی الاجتہاد المقاصدی حجیته ، ضوابطه، مجالاته۔ج١۔ص٥٢، الناشر: دار الکتب القطریة

[9] ۔ الشاطبی امام، الموافقات،ص٢٥٩ ج:٢۔دار ابن عفان١٩٩٩

[10] Ahmad, Shakil. "مقاصدشریعت اوراس کی بنیادپر اجتہاد: ایک تحقیقی جائزہ: Concitation on the basis of Maqasid Shari'ah: A Research Survey." *Al-Duhaa* 1, no. 02 (2020): 197-216.

[11] سورة النور: ٢

[12] سورة البقرة : ١٧٨

[13] الإیجي عضد الدین عبد الرحمن بن أحمد المواقف، ٣/٣٧٦ ، الناشر: دار الجیل - بیروت - ط١ ، ١٩٩٧م، تحقیق د. عبد الرحمن عمیرة.

[14] سورة الملك : ١

[15] ابن ماجة محمد بن یزید أبو عبد الله القزویني، سنن ابن ماجة، ٢/١٣٣٢ ، رقم الحدیث (٤٠١٩)، الناشر: دار الفکر - بیروت - تحقیق محمد فؤاد عبد الباقي، وفي الزوائد حدیث صحیح، وقال عنه الألباني: صحیح.

[16] الترمذي: أبو عیسى محمد بن عیسى الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب نزول العذاب، ٤/٤٦٧، رقم الحدیث (٢١٦٨) الناشر: دار إحیاء التراث العربي بیروت، تحقیق أحمد محمد شاکر وآخرون، قال الترمذي حدیث صحیح.

[17] سورة الروم الآیة: ٤٢

[18] ابن تيمية أحمد بن عبد الحليم ، مجموع الفتاوى ١٦/١٢٥٠ ، الناشر: دار الوفاء - ط٣، ١٤٢٦هـ

[19] ابن قيم محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس، زاد المعاد في هدي خير العباد، ٤/٣٢٩، الناشر: مؤسسة الرسالة - بيروت - مكتبة المنار الإسلامية - الكويت - الطبعة السابعة والعشرون، ١٤١٥هـ - ١٩٩٤م.

[20] البخاري، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، باب كراهة الشفاعة في الحدود، رقم الحديث٣٤٧٥.

[21] ابن ماجة سنن ابن ماجة ، كتاب الحدود، باب: إقامة الحدود. ٢/٨٤٨ ، رقم الحديث (٢٥٣٨)

[22] البخاري، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، باب الحدود كفارة، رقم الحديث ٣٨٩٢

[23] الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس، الأم، ٥/٢٤٩ ، الناشر: دار المعرفة - بيروت - ١٣٩٣هـ .

[24] مسلم:الجامع الصحيح، ، كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنا ،٣/١٣٢٤ ، رقم الحديث (١٦٩٦).

[25] الشوكاني محمد بن علي، نيل الأوطار ، ٧/٥٨ ، الناشر: دار الحديث - القاهرة - ٢٠٠٥م.

[26] ابن نجيم البحر الرائق شرح كنز الدقائق ٥/٣

[27] سورة المائدة : ٣٣-٣٤

[28] البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي السنن الكبرى، ٨/٢٧٥، رقم الحديث (١٧٧٣٦)

[29] السرخسي المبسوط، ١١/٢٩٨

[30] مسلم: الجامع الصحيح - بشرح النووي كتاب الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها - ١١/٢٢٤.

[31] مسلم: الجامع الصحيح - بشرح النووي ، كتاب الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها.- ١١/٢٢٤

[32] سورة الأسراء : ٣٣

[33] ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي الكوفي، المصنف، ٩/٤٢٣ ، رقم الحديث (٢٨٥١٦) ط١،

[34] القرطبي أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي (ت ٦٧١ هـ)، الجامع لأحكام القرآن، ٢/٢٤٩ - ٢٥٠

[35] سورة البقرة : ١٧٩

[36] حنبل: أحمد، المسند، ٢/٢٠٧ ، رقم الحديث (١٩٣٣)، الناشر: مؤسسة الرسالة، ط ٢ ، ١٤٢٠هـ - ١٩٩٩م

[37] سورة الإسراء : ٣٣

[38] السمعاني، تفسير القرآن، ٣/٢٣٨